علامہ اقبال اور حضرت مجدد الف ثانی رح

محمد مسعود احمد

بندۂ یک مرد روشن دل شوی　　　به که بر فرق سرشاهان روی

صوفیاء سے عقیدت:

علامہ اقبال کے والد ماجد شیخ نور محمد کی صحبت کیمیا اثر نے ''مس خام کو کندن بنایا،، ، ''آداب فرزندی،، سکھائے، خود شناس و خدا شناس اور خود آگاہ و خدا آگاہ بنایا۔ اکبر الہ آبادی نے خوب کہا ہے :

حضرت اقبال میں جو خوبیاں پیدا ہوئیں
قوم کی تقریریں جو ان کے طرز کی شیدا ہوئیں
یہ حق آگاہی، یہ خوش گوئی، یہ ذوق معرفت
یہ طریق دوستی، خود داری، تمکنت
اس کے شاہد ہیں کہ ان کے والدین ابرار تھے
باخدا تھے، اہل دل تھے، صاحب اسرار تھے(۱)

علامہ، والد ماجد ہی سے سلسلہ قادریہ میں بیعت تھے (۲) اور فیض روحانی حاصل کیا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ علامہ کو مولانا سید میر حسن شاہ جیسا دانا استاد گرامی ملا۔ جس کے انداز تربیت سے علامہ کی فکری ودیعتوں کو جلا نصیب ہوئی اور عرفان و تصوف کے اسرار و معارف کھل گئے :—

خاک کے ڈھیر کو اکسیر بنا دیتی ہے
یہ اثر رکھتی ہے خاکستر پروانۂ دل

جب آغاز حیات اس شان کا ہو تو انجام حیات کس شان کا ہوگا۔ فی الحقیقت علامہ کے ذوق معرفت نے ان کو معراج کمال پر پہنچایا اور دیکھنے والوں

۱—عبدالرزاق ''کلیات اقبال، بحوالہ ''اقبالیات کا تنقیدی جائزہ،، از قاضی احمد میاں اختر جونا گڑھی مطبوعہ کراچی ۱۹۵۵ء، صفحہ ۱۱۰
۲—طاہر فاروق ـ سیرت اقبال ـ مطبوعہ لاہور ۱۹۳۹ء صفحہ ۳۵۴ ـ

نے دیکھا کہ سیالکوٹ کی سرزمین میں پیدا ہونے والا مرد قلندر کچھ عرصہ نہ گزرا تھا کہ عالم میں آفتاب و ماہتاب بنکر چمکا۔

زمانہ لے کے جسے آفتاب کرتا ہے
اسی کی خاک میں پوشیدہ ہے وہ چنگاری

۱۹۰۵ء میں انگلستان روانہ ہونے سے پہلے علامہ، خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے مزار مبارک پر حاضری کے لئے دہلی تشریف لے گئے۔ "التجائے مسافر،، کے عنوان سے بانگ درا میں جن قلبی تاثرات کا اظہار کیا ہے ان سے علامہ کی کمال عقیدت و محبت کا علم ہوتا ہے۔

۱۹۰۵ء سے ۱۹۰۸ء تک علامہ انگلستان میں رہے۔ جرمنی بھی تشریف لے گئے۔ اور میونخ یونیورسٹی سے "ایران میں مابعد الطبیعات،، (Metaphysics in Persia) پر مقالہ پیش کرکے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔ اس مقالے کے سلسلے میں علامہ نے مختلف صوفیائے کرام کا مطالعہ کیا مثلاً بایزید بسطامی، ذوالنون مصری، فرید الدین عطار، محی الدین ابن العربی، امام غزالی، معروف کرخی، شقیق بلخی، جلال الدین رومی، وغیرہ وغیرہ بعض صوفیاء کی تصانیف کے قلمی نسخوں کا بھی مطالعہ کیا مثلاً انڈیا آفس لائبریری، لندن میں شیخ شہاب الدین کی عوارالمعارف، امام غزالی کی مشکوۃ الانوار، سید علی ھجویری کی کشف المحجوب اور سید محمد گیسو دراز رح کی تصنیف خاتمہ مطالعہ فرمائیں۔ برٹش میوزیم میں میر جرجانی کا رسالہ فی الوجود اور ٹرینٹی کالج میں عزیز الدین نسفی کے رسائل بھی مطالعہ میں آئے۔ (۳)

صوفیائے کرام کے حالات اور تعلیمات کے مطالعہ نے اقبال کے ذوق تصوف کو اور اجاگر کیا چنانچہ ۱۹۰۸ء میں جب وہ وطن عزیز واپس آئے تو تصوف کا باقاعدہ مطالعہ شروع کیا۔ خاص طور پر جلال الدین رومی اور شیخ احمد سرھندی کا مطالعہ کیا۔ علامہ کو جس تصوف سے لگاؤ تھا وہ عجمی الاصل نہ تھا بلکہ اسکی اصل حجازی تھی۔ اسی تصوف کو علامہ "اخلاص فی العمل،، سے تعبیر فرماتے ھیں۔ چنانچہ ایک مکتوب میں مولانا اسلم جیراجپوری کو تحریر فرماتے ھیں :—

3. Mohammad Iqbal. The Development of Metaphysics in Persia, Lahore.

> تصوف سے اگر اخلاص فی العمل مراد ہے . . . تو کسی مسلمان کو اس پر اعتراض نہیں ہوسکتا۔ ہاں جب تصوف فلسفہ بننے کی کوشش کرتا ہے اور عجمی اثرات کی وجہ سے نظام عالم کے حقائق اور باری تعالیٰ کی ذات کے متعلق موشگافیاں کر کے کشفی نظریہ پیش کرتا ہے تو میری روح اس کے خلاف بغاوت کرتی ہے۔(۴)

علامہ نے تصوف کی جو تعریف فرمائی، حضرت مجدد الف ثانی نے بھی من وعن یہی تعریف فرمائی ہے۔(۵)

عجمی تصوف پر علامہ کی سخت تنقید سے کچھ لوگ یہ سمجھ بیٹھے کہ علامہ کو تصوف اور صوفیائے کرام سے نفرت ہے۔ چنانچہ علامہ کے دوست خواجہ حسن نظامی نے غلط فہمی کی بنا پر بہت کچھ لکھا اور شائع بھی کیا۔ مگر دوستی اپنی جگہ قائم رہی۔

اگر بنظر عمیق دیکھا جائے تو علامہ کی بیشتر تصانیف صوفیائے کرام سے روحانی طور پر تاثر کا نتیجہ ہیں۔ علامہ کے خطبات، مکتوبات اور منظومات کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ان کو اس گروہ احرار سے خاص تعلق اور روحانی لگاؤ تھا۔ مثلاً ان کی تصانیف میں ان حضرات کا ذکر ملتا ہے۔ شیخ علی ھجویری، شیخ محی الدین گیلانی، میر سید علی ھمدانی، شیخ معین الدین چشتی، شیخ فرید الدین اجودھنی، شیخ محمد غوث گوالیاری، شیخ نظام الدین دھلوی، شیخ صابر کلیری رح وغیرہ وغیرہ۔

علامہ اقبال جس قلب میں آثار حیات پاتے اسی کی طرف متوجہ ہو جاتے۔ ان کو زندگی کی تلاش تھی۔ اور اسی تلاش میں وہ سفر و حضر میں اہل دل کی تلاش میں رہتے تھے۔ مزارات پر حاضر ہوتے تھے اور مستفیض ہوتے تھے۔ ان کی نظر میں ''درس کتاب،، سے ''درس نظر،، کہیں بہتر تھا:-

---

۴۔ شیخ عطاء اللہ۔ اقبال نامہ۔ جلد اول، مطبوعہ لاھور، صفحہ ۴۳-۵۴، مکتوب محررہ ۱۷ مئی ۱۹۱۹ء۔

۵۔ شیخ احمد سرھندی۔ مکتوبات شریف، مطبوعہ امرتسر، ۱۳۳۴ھ، جلد اول، مکتوب ۳۶۔

صد کتاب آموزی از اهل هنر　　خوشتر آں درسے کہ گیری ازنظر
هر کسے زاں مے کہ ریزد از نظر　　مست می گردد و باند از دگر

از دم باد سحر میرد چراغ
لالہ زاں بادسحر می در اياغ (۶)

خدا شناسی کی یہ لگن ہی تھی کہ آخری عمر میں تمام کتابوں کا مطالعہ ترک کرکے صرف قرآن پاک اور مثنوی مولانا روم رح کا مطالعہ فرمایا کرتے تھے۔

شیخ مجدد سے عقیدت

علامہ اقبال نے بھی سلسلہ قادریہ میں اپنی بیعت اور حضرت مجدد الف ثانی (۷) (۱۰۳۴ھ ۱۶۲۴ء) سے اپنی عقیدت و محبت کا اظہار اپنے مکتوب محررہ ۱۳ نومبر ۱۹۱۷ء میں کیا ہے جو موصوف نے سید سلیمان ندوی مرحوم (۱۳۷۳ھ ۱۹۵۳ء) کے نام لکھا تھا، فرماتے ہیں :—

۶- طاہر فاروقی—سیرت اقبال، مطبوعہ لاہور، ۱۹۱۹ء صفحہ ۳۵۵۔
۷- شیخ احمد بن عبدالاحد ملقب بہ مجدد الف ثانی، مولداً سرہندی، شرعاً نقشبندی اور نسبتاً فاروقی تھے۔ ہندوستان کے اعاظم صوفیاء میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔ ۹۷۱ھ-۱۵۶۳ء میں آپ سرہند میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد شیخ عبدالاحد— شیخ یعقوب کشمیری، اور قاضی بہلول بدخشی سے قرآن پاک اور دیگر علوم معقول و منقول کی تحصیل کی۔ تحصیل علم سے فارغ ہوکر اکبر آباد تشریف لائے۔ یہ اکبر بادشاہ کا دور حکومت تھا۔ یہاں ابوالفضل (۱۰۱۱ھ-۱۶۰۲ء) اور ابوالفیض فیضی۔ (۱۰۰۴ھ-۱۵۹۵ء) سے آپ کے مراسم ہوگئے۔ ہوگئے۔ موخر الذکر کی تفسیر بے نقط سواطع الالہام (۱۰۰۲ھ-۱۵۹۳ء) میں ایک جگہ آپ نے اس کی مدد بھی کی تھی۔ جب ان دونوں بھائیوں نے عقلیت پرستی کی راہ لی تو حضرت مجدد رح نے اس سے قطع اختیار کرلی۔ حضرت مجدد رح نے اپنے والد شیخ عبدالاحد (م ۱۰۰۷ھ-۱۵۹۸ء) سے سلسلہ چشتیہ میں بیعت و اجازت اور سند خلافت حاصل کی۔

خواجہ نقشبند اور مجدد سرھند کی میرے دل میں بہت بڑی عزت ھے، مگر افسوس ھے کہ آج یہ سلسلہ بھی عجمیت کے رنگ میں رنگ گیا ھے۔ یہی حال سلسلہ قادریہ کا ھے جس میں میں خود

اس کے بعد سنہ (۱۵۹۹ء-۱۰۰۸ھ) میں دھلی تشریف لے گئے اور وھاں سلسلہ نقشبندیہ میں خواجہ محمد باقی باللہ (م-۱۶۰۳ء-۱۰۱۲ھ) سے بیعت ھوئے اور مسند خلافت حاصل کی آپ کے کمالات روحانی کا خود مرشد گرامی کو اعتراف ھے۔

اکبر کی بے دینی کے خلاف، شیخ طریقت کے انتقال کے بعد، (سنہ ۱۶۰۳ء-۱۰۱۲ھ) میں اپنی تبلیغی مساعی کو تیز تر کردیا۔ اعیان مملکت کے نام خطوط لکھے۔ احیاء شریعت کی تلقین کی۔ اور اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے لئے راہ ھموار کی۔ جہانگیر سے لیکر اورنگ زیب رح تک اسلام کو ھندوستان میں جو ترقی ھوئی اس میں حضرت مجدد اور ان کے صاحب زادگان کی مساعی شامل ھیں۔

اکبر کے انتقال کے بعد حضرت مجدد نے تبلیغ و اصلاح کا کام اور تیز کردیا۔ جہانگیر (۱۶۲۷-۱۰۳۷) کے دربار میں دوسرے فرقے کے لوگ بھی تھے ان کو حضرت مجدد کی مقبولیت عام گراں معلوم ھوئی۔ جہانگیر کو اس سے باخبر کیا غالباً اسکو بھی حضرت مجدد رح کی تجدیدی اور تبلیغی سرگرمیوں سے کچھ خطرہ محسوس ھوا۔ جیسا کہ عام طور پر گروہ احرار سے شاھان عالم خطرہ محسوس کرتے رھے ھیں۔ بھر کیف آپ پر ایک الزام لگا کر سنہ ۱۶۱۹ء-۱۰۲۸ھ میں دربار میں طلب کیا، آپ سے جواب طلب کیا گیا تو آپ نے اس کا معقول جواب دیا۔ جس وقت آپ دربار میں داخل ھوئے تو دستور کے مطابق جہانگیر کو سجدہ بھی نہ کیا تھا۔ دشمنوں نے آپ کی اس جرأت رندانہ کی طرف توجہ دلائی چنانچہ غرور و نخوت کا الزام لگا کر آپ کو سنہ مذکور میں قلعہ گوالیار میں محبوس کردیا گیا۔ چونکہ اعیان مملکت میں آپ کا کافی اثر و رسوخ تھا اور اکثر آپ کے مرید تھے۔ اس لئے غالباً اختلال و بدنظمی کے

بیعت رکھتا ہوں حال آنکہ حضرت محی الدین کا مقصود اسلامی
تصوف کو عجمیت سے پاک کرنا تھا۔(۸)

اہل اللہ سے تعلق ہی کا فیضان تھا کہ اقبال نے خود دارانہ زندگی بسر کی۔ نہ کسی اہل و دل کی چوکھٹ پر خود جھکے اور نہ اپنی قوم کو جھکایا اور ہر منزل پر اہل اللہ سے تعلق رکھنے کی تلقین کی چنانچہ ضرب کلیم میں ایک جگہ لکھتے ہیں :—

چاہئے خانہ دل کی کوئی منزل خالی
شاید آجائے کہیں سے کوئی مہمان عزیز

خوف سے دوسرے ہی سال یعنی (۱۶۲۰ء؍۱۰۲۹ھ) میں آپ کو رہا کرکے خلعت فاخرہ کے ساتھ انعام سے بھی نوازا۔ لیکن اس رہائی کے بعد جہانگیر نے سیاسی مصالح کی بنا پر آپ کو اپنے ساتھ رکھا۔ چنانچہ بقول خواجہ محمد معصوم رح (م-۱۶۶۸ء-۱۰۷۹ھ) جہانگیر کے ساتھ حضرت مجدد رح لاہور میں تشریف لے گئے تھے ممکن ہے واپسی میں جہانگیر سرہند بھی آیا ہو۔

حضرت مجدد رح، جہانگیر کے ساتھ ۱۰۲۹ھ-۱۶۱۹ء سے ۱۰۳۳ھ-۱۶۲۳ء تک مقیم رہے۔ چار سال کے اس عرصہ میں آپ نے جہانگیر کی کافی اصلاح فرمائی۔ جس کا اثر سلطنت پر بھی پڑا۔

۱۶۲۳ء-۱۰۳۳ھ میں جب کہ حضرت مجدد رح لشکر جہانگیری کے ساتھ اجمیر شریف میں مقیم تھے۔ جہانگیر سے اجازت لیکر سرہند شریف تشریف لائے۔ اور ۲۹ صفر المظفر ۱۰۳۴ھ-۱۶۲۴ء میں یہیں آپ کا وصال ہوا۔

آپ کی تصانیف بکثرت ہیں۔ جسمیں مکتوبات شریف جو تین مجلدات میں جمع کئے گئے ہیں اسرار و معارف کا ایک خزینہ ہیں۔ کلاسیکل ادب میں ان کا شمار ہوتا ہے۔

۸—شیخ عطا اللہ—اقبال نامہ، جلد اول، مطبوعہ لاہور، مکتوب نمبر ۳۵، صفحہ ۷۸-۷۷۔

وہ نوجوانان قوم کو ''سہمان عزیز'' کی تلاش میں سرگرم رکھنا چاہتے ہیں اسی لئے ضرب کلیم میں ایک اور جگہ کہا ہے : —

شیخ مکتب کے طریقوں سے کشا و دل کہاں ؟
کس طرح کبریت سے روشن ہو بجلی کا چراغ

چراغ دل کو فروزاں کرنے کے لئے تو کسی ضیا بار قلب ہی کی ضرورت ہے۔ جو اپنی ضیا باریوں سے قلب کو منور کردے اور زندگی، زندگی بن جائے۔ اسی لئے اپنے عزیز فرزند جاوید کو نصیحت فرماتے ہیں : —

دربار شہنشہی سے خوش تر
مردان خدا کا آستانہ
ہمت ہو اگر تو ڈھونڈ وہ فقر
جس فقر کی اصل ہے حجازی
اس فقر سے آدمی میں پیدا
اللہ کی شان بے نیازی (۹)

اقبال خود بھی ایسے فقر کی تلاش میں تھے جس کی اصل ''حجازی'' ہو وہ ''عجمیت'' کے نہیں ''حجازیت'' کے عاشق تھے۔ اور جہاں جہاں ان کو حجازیت کے آثار نظر آتے تھے وہ بسر و چشم اور بصد شوق و ذوق اس طرف جاتے تھے۔ ان کے نزدیک عجمیت ''سکونی'' (Static) ہے اور ''حجازیت'' ''حرکی'' (Dynamic) ہے۔ سلسلہ نقشبندیہ سے اقبال کا تعلق خاطر حرکیت پسندی ہی کی وجہ سے ہے۔ ان کے نزدیک یہ سلسلہ حرکت اور ربانیت پر مبنی ہے۔ چنانچہ عبدالقادر بیدل (م - ۱۱۳۳ھ) (۱۰) کے کلام پر تبصرہ کرتے ہوئے اقبال نے سلاسل طریقت پر بھی اجمالی روشنی ڈالی ہے۔ فرماتے ہیں : —

۹—اقبال ضرب کلیم - مطبوعہ لاہور، (ص - ۸۸)

۱۰—مرزا عبدالقادر بیدل بن عبدالخالق، ۱۰۵۴ھ میں بمقام عظیم آباد پیدا ہوئے۔ ترکوں کے قبیلۂ برلاس سے آپ کا تعلق تھا۔ کم سنی میں والد کا انتقال ہوگیا تو عم مکرم مرزا قلندر نے پرورش کی۔ بیدل نے ۵ سال کی عمر میں قرآن پاک ختم کیا۔ پھر ۵ برس علوم نقلیہ کی تحصیل کی اس کے بعد تعلیم ترک

بیدل کے کلام میں خصوصیت کے ساتھ حرکت پر زور ہے ۔ نقشبندی سلسلے اور حضرت مجدد الف ثانی سے بیدل کی عقیدت کی بنیاد بھی یہی ہے ۔ نقشبندی مسلک ''حرکت،، اور ''رجائیت،، پر مبنی

کرکے فقیرانہ رنگ اختیار کیا ۔ زیادہ وقت فقراء کے ساتھ گزرنے لگا ۔

بیدل بڑے ذہین و طباع تھے، شعر گوئی کی طرف فطری میلان تھا ۔ عبرتی کی ریاض الافکار کے مطابق بیدل کو مولانا کمال سے شرف تلمذ حاصل تھا ۔ اور نشتر عشق کے مطابق بیدل کا پہلا تخلص رمزی تھا، بعد میں بدل کر بیدل رکھ لیا ۔

بیدل بڑے پرگو اور خوش گو شاعر تھے ۔ بقول غلام علی آزاد بلگرامی بیدل کی کلیات میں ۹۰ ہزار اشعار ہیں ۔ چونکہ طبعاً فقر پسندی کی طرف مائل تھے اسلئے ''ہزار خوف،، میں بھی زبان ''دل کی رفیق،، رہی ۔ کیوں کہ ع —

یہی رہا ہے ازل سے قلندروں کا طریق

اسی لئے بقول علامہ اقبال، بیدل کا کلام سکونی نہیں حرکی ہے ۔

بیدل نے ۲۰ سال کی عمر میں وطن عزیز کو چھوڑا ۔ بقول غلام علی آزاد بلگرامی بیدل کی نشو و نما زیادہ تر دوسرے شہروں میں ہوئی ۔ سفینہ خوش گو کے مطابق بیدل اکبر اباد بھی رہے ۔ بعد میں دھلی چلے آئے ۔ جس زمانے میں اورنگ زیب مہمات دکن میں مصروف تھا، فتنہ و فساد کی وجہ سے بیدل دھلی سے متھرا آگئے تھے ۔ یہاں سے جاٹوں کی ریشہ دوانیوں سے مجبور ہوکر ۲۷ جمادی الآخر ۱۰۹۶ھ میں پھر دھلی آگئے ۔ یہاں بیدل نے ۳۶ سال گزارے (بقول سفینہ خوش گو) لیکن بیچ میں جب سادات بارھہ کے ہاتھوں فرخ سیر قتل ہوا اور بیدل نے امیر الامراء سید حسین علی خاں کو دو تنقیدی شعر لکھ کر بھیجے تو سادات کو ان سے کچھ دشمنی ہوگئی ۔ چنانچہ اسی وجہ سے بیدل ۶ ذی الحجہ ۱۱۳۲ھ میں ترک سکونت کرکے لاہور چلے آئے

ہے۔ مگر چشتی مسلک میں قنوطیت اور سکون کی جھلک نظر آتی ہے۔ اسی وجہ سے چشتیہ سلسلے کا حلقہ ارادت زیادہ تر ہندوستان تک محدود ہے مگر ہندوستان سے باہر افغانستان، بخارا، ترکی وغیرہ میں نقشبندی مسلک کا زور ہے۔(۱۱)

حضرت مجدد رح کی ذات گرامی اقبال کے دعوے پر شاھد عادل ہے۔ خاک ہند سے حضرت مجدد الف ثانی جیسا انقلاب انگیز صوفی پیدا نہیں ہوا۔ آپ نے عجمیت کے رنگ میں رنگی ہوئی فضا کو حجازی رنگ میں رنگا۔ مسلم کافر نما کو مسلم بنایا۔ حضرت مجدد رح کی اسی فکری اور عملی انقلاب انگیزی اور حرکت پسندی نے علامہ اقبال کو اپنی طرف متوجہ کیا۔ اور وہ کشاں کشاں آستانۂ عالیہ پر حاضر ہوئے۔ ع—

رحمت حق بہانہ می جوید

حضرت مجدد رح کی تعلیمات اور علمی و عملی کارناموں کے مطالعہ سے پہلے علامہ اقبال اس طرف متوجہ نہ تھے۔ راقم کے کرمفرما اور خاندان مجددیہ کے چشم و چراغ مخدومی حضرت مولانا محمد ہاشم جان صاحب سرہندی مدظلہ، العالی نے علامہ اقبال سے اپنی ایک ملاقات کا ذکر کیا جس کا خلاصہ یہاں پیش کررہا ہوں: —

لیکن جب امیر الامراء مارا گیا (۹ اکتوبر ۱۷۲۰ء) اور سادات کا زور ٹوٹ گیا تو بیدل لاہور سے دھلی چلے آئے۔ لیکن چند ماہ بعد بقول بندار بن درس خوش گو، تپ محرقہ میں مبتلا ہوکر یوم پنج شنبہ چہارم صفر ۱۱۳۳ھ کو بیدل کا دھلی میں انتقال ہوگیا۔ اور حویلی کی آنگن میں دفن ہوئے۔ مگر اب قبر کا نام و نشان تک نہیں ع —

خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہوگئیں

خواجہ حسن نظامی مرحوم نے شاہ سلیمان پھلوری کی نشان دھی پر ۱۳۵۹ھ میں جو مزار بنوایا ہے وہ اصل جگہ پر نہیں ہے۔ (مجلہ اردو ادب، علی گڈھ شمارہ نمبر ۱، ۱۹۶۲ء، ملخصاً)

۱۱—محمود نظامی — ملفوظات، مطبوعہ لاہور، صفحہ ۱۲۲۔

ایک مرتبہ چند احباب کے ساتھ سرھند شریف جاتے ہوئے لاھور پہنچا تو علامہ اقبال سے ملاقات کو دل چاھا چنانچہ عصر کے وقت ملاقات کے لئے گیا۔ علامہ کو جب یہ معلوم ہوا کہ مجھ کو خاندان مجددیہ سے نسبی تعلق ہے تو انہوں نے بڑی عزت افزائی فرمائی اور حضرت مجدد رہ سے اپنی عقیدت کی ابتداء کے متعلق ایک واقعہ بیان کیا۔

علامہ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ میں حافظ عبدالحلیم کے ھاں چند احباب کے ساتھ بسی گیا ہوا تھا۔ واپسی کے وقت راستے میں سرھند پڑا۔ احباب حضرت مجددؒ کے مزار مبارک پر فاتحہ خوانی کے لئے گئے مجبوراً مجھے بھی جانا پڑا۔ سب لوگ مراقب ہوگئے میں بیٹھا رہا۔ اچانک مجھ پر رقت طاری ہوگئی۔ لرزنے لگا اور تھوڑی دیر بعد بیہوش ہوگیا۔ جب سب لوگ مراقبے سے فارغ ہوئے تو مجھ پر پانی چھڑکا اور میں ہوش میں آیا۔ اس روحانی تجربے کے بعد مجھ کو معلوم ہوا کہ مزارات اولیاء فیضان الٰہی سے خالی نہیں۔

حضرت مولانا محمد ھاشم جان فرماتے ہیں کہ علامہ یہ واقعہ بیان کرتے اور روتے جاتے۔ ان کا دل محبت سے معمور اور آنکھیں اشکبار تھیں —

گہ بحیلہ می برد گہ بزور می کشد
عشق کی ابتدا عجب عشق کی انتہا عجب

سید نذیر نیازی کے نام علامہ مرحوم نے جو مکاتیب ارسال فرمائے ہیں ان میں بھی سرھند شریف حاضری کا ذکر ہے لیکن غالباً یہ حاضری عقیدت مندی اور محبت کے بعد ہوئی۔ چنانچہ اپنے مکتوب محررہ ۲۹ جون ۱۹۳۴ء میں تحریر فرماتے ہیں :۔

> آج شام کی گاڑی میں سرھند شریف جا رہا ہوں۔ چند روز ہوئے صبح کی نماز کے بعد میری آنکھ لگ گئی۔ خواب میں کسی نے مندرجہ ذیل پیغام دیا : —
>
> ''ہم نے جو خواب تمہارے اور شکیب ارسلان (۱۲) کے متعلق دیکھا ہے وہ سرھند بھیجدیا ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ خدا تعالیٰ تم پر بہت بڑا فضل کرنے والا ہے''۔

۱۲— سید نذیر نیازی—مکتوبات اقبال مطبوعہ کراچی۔ ۱۹۵۷ء، صفحہ ۱۶۱

پیغام دینے والا معلوم نہ ہوسکا کہ کون ہے۔ اس خواب کی بنا پر وہاں کی حاضری ضروری ہے۔ اس کے علاوہ جاوید جب پیدا ہوا تھا تو میں نے عہد کیا تھا کہ جب وہ ذرا بڑا ہوگا تو اسے حضرت کے مزار پر لے جاؤں گا وہ بھی ساتھ جائیگا۔ تاکہ یہ عہد بھی پورا ہوجائے۔ چودھری محمد حسین منشی طاہر الدین اور علی بخش ہمراہ ہوں گے۔ اتوار کی صبح کو لاہور واپس پہنچیں گے۔(۱۳)

۳۰ جون ۱۹۳۴ء کے مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں :۔

میں ہفتہ کی شام کو سرہند سے واپس آگیا تھا۔ نہایت عمدہ اور پر فضا جگہ ہے۔ انشاء اللہ پھر بھی جاؤں گا۔(۱۴)

پھر ۳ جولائی ۱۹۳۴ء کے مکتوب میں لکھتے ہیں :۔

سرہند خوب جگہ ہے۔ مزار نے میرے دل پر بڑا اثر کیا ہے۔ بڑی پاکیزہ جگہ ہے۔ پانی اس کا سرد و شیریں ہے، شہر کے کھنڈرات دیکھ کر مجھے مصر کا قدیم شہر فسطاط یاد آگیا جس کی بنا حضرت عمر بن العاص نے رکھی تھی۔ اگر سرہند کی کھدائی ہو تو معلوم نہیں کہ اس زمانے کی تہذیب و تمدن کے کیا انکشافات ہوں۔ یہ شہر فرخ سیر کے زمانے میں بحال تھا اور موجودہ لاہور سے آبادی و وسعت کے لحاظ سے دگنا تھا۔(۱۵)

مندرجہ بالا مکاتیب نقل کرنے کے بعد سید نذیر نیازی صاحب نے مندرجہ ذیل توضیحی حاشیہ لکھا ہے :۔

حضرت علامہ سرہند سے بڑا گہرا اثر لیکر آئے تھے اور انہیں اس بات کا بڑا رنج تھا کہ مسلمان اپنی تاریخ اور تہذیب و تمدن سے کس درجہ بے خبر ہیں بلکہ اس سے غفلت برت رہے ہیں۔

۱۳—سید نذیر نیازی—مکتوبات اقبال مطبوعہ کراچی۔ ۱۹۵۷ء، صفحہ ۱۶۱۔

۱۴—ایضاً، ص ۔ ۱۶۲ ۔

۱۵—ایضاً، ص ۔ ۱۶۴ ۔

راقم الحروف کے دل پر ایک تو اس اسلوب کا بڑا اثر تھا جس میں حضرت علامہ نے سرہند کا نقشہ کھینچا تھا —— یہ اسلوب کیسا برجستہ اور تصنع سے پاک تھا، صاف و سادہ اور شہر کے ان احوال پر جیسا کہ مشاہدے سے ان کا انکشاف ہوا یعنی حقیقت پر مبنی —— ثانیاً ان کا ذہن بعض سکھ گروؤں کے اس قتل کی طرف منتقل ہوگیا جس کو سکھوں نے مکتوبات کے حوالے سے کسی نہ کسی طرح حضرت مجدد رح کے اثر کا نتیجہ ٹھہرایا ہے اور جن کی بنا پر یہ ان کا مذہبی فریضہ بن گیا تھا کہ ہر آنے جانے والا سکھ، سرہند کی ایک ایک اینٹ دریا میں ڈالدے۔ اسلام اور مسلمانوں کے اس ثقافتی مرکز کی تباہی گویا سکھوں کے ہاتھ سے ہوئی اور پھر ابدالی کی غلط بخشی ملاحظہ ہو کہ ۱۷۶۷ء میں سکھوں کا زور توڑ دینے کے باوجود سرہند کی حکومت ایک سکھ سردار کے سپرد کردی۔(۱۶)

مولانا عبدالمجید سالک نے بھی ''سفر سرہند،، کے عنوان کے تحت علامہ اقبال کے سرہند شریف جانے اور وہاں کے قلبی تاثرات کو قلم بند کیا ہے۔(۱۷)۔ پروفیسر یوسف سلیم چشتی نے بھی سفر سرہند کا ضمنی طور پر ذکر کیا ہے اور لکھا ہے :—

۱۹۳۵ء میں ان کو حضرت مجدد الف ثانی کے مزار پر حاضری کی سعادت نصیب ہوئی اور مزار مبارک پر مراقب ہوکر جو روحانی فیض ان کو حاصل ہوا اور جو کیفیت ان پر طاری ہوئی اس کا کچھ تذکرہ انہوں نے مجھ سے بھی کیا تھا۔(۱۸)

راقم الحروف نے پروفیسر موصوف کو خط لکھ کر علامہ کے تاثرات کے متعلق مزید استفسار کیا تھا جس کے جواب میں انہوں نے تحریر فرمایا :—

تذکرے کی تفاصیل میرے ذہن میں اب بکلی محفوظ نہیں ہیں لیکن

۱۶—ایضاً، ص - ۱۶۴-۶۵ -
۱۷—عبدالمجید سالک—ذکر اقبال، مطبوعہ لاہور، ۱۹۵۵ء، ص - ۱۹۱-
۱۸—یوسف سلیم چشتی—شرح بال جبریل، مطبوعہ لاہور، ص - ۶۰۶-۷ -

اس قدر یاد ہے کہ انہوں نے یہ کہا تھا کہ سجادہ نشین خلیفہ محمد صادق مرحوم نے میرے لئے مزار مبارک پر تخلیہ کرادیا تھا۔ میں ایک گھنٹے تک مراقب رہا اور حضرت مجدد کی روح میری طرف محبت آمیز رنگ میں متوجہ رہی۔ مجھے ماحول کا احساس نہیں رہا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ حضرت کے سامنے بیٹھا ہوا ہوں اور حضرت مجھ سے فرما رہے ہیں کہ تمہاری دینی خدمات سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں مقبول ہوگئی ہیں۔ آں حضور ص کی تم پر خاص نگہ کرم ہے۔ میرے قلب میں سوز و گداز کی ایسی کیفیت پیدا ہوئی جسکا اظہار لفظوں میں نہیں ہوسکتا۔ اور مجھے یہ اندازہ ہوا کہ خاصان خدا کا فیض بعد وفات بھی جاری رہتا ہے اور یہ بھی اندازہ ہوا کہ حضور انور کے روضہ مبارک سے کس قدر فیضان جاری ہے۔ رقت کا عالم برابر طاری رہا۔ زماں و مکاں کا احساس ختم ہوگیا تھا۔ روحانی فیض میرے رگ و پے میں ساری تھا۔ دل میں اس قدر وسعت پاتا تھا کہ ساری کائنات اس میں سما گئی۔ (۱۹)

علامہ اقبال نے ضرب کلیم (۱۹۳۵ء) میں اسی تجربے کی بنا پر کہا ہے ــ

کافر کی یہ پہچان کہ آفاق میں گم ہے
مومن کی یہ پہچان کہ گم اس میں ہیں آفاق

علامہ کی عقیدت کا اس سے بھی اندازہ ہوسکتا ہے کہ موصوف نے ۱۹۳۲ء میں انگلستان میں حضرت مجدد الف ثانی پر ایک تقریر کی تھی جو ''وہاں کے اداشناس لوگوں میں بہت مقبول ہوئی۔،، علامہ نے ۸ اگست ۱۹۳۳ء کو پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی رح کو ایک مکتوب تحریر فرمایا تھا۔ اس میں لکھتے ہیں : ــ

...... میں نے گزشتہ سال انگلستان میں حضرت مجدد الف ثانی پر ایک تقریر کی تھی جو وہاں کے اداشناس لوگوں میں بہت مقبول

---

۱۹ ــ مکتوب از پروفیسر یوسف سلیم چشتی محررہ ۲۶ اپریل، ۱۹۶۳ء، لاہور۔

> ہوئی۔ اب پھر ادھر جانے کا قصد ہے اور اس سفر میں محی الدین ابن عربی پر کچھ لکھنے کا ارادہ ہے۔(۲۰)

اس مکتوب سے اندازہ ہوتا ہے کہ علامہ کے دل میں حضرت مجدد الف ثانی کا کیا مقام تھا وہ ان کے فلسفہ کو یورپ کے لوگوں سے متعارف کرانا چاہتے تھے۔ اسی لئے ۱۳۲ء میں روما اور قاہرہ میں جو تقریریں کی تھیں ان میں بھی حضرت مجدد رح کا ذکر فرمایا تھا۔ موضوع Religious Experience تھا۔اسی سنہ میں لندن میں ایک تقریر کی تھی جس کا عنوان تھا :— "Is Religion Possible?" اس میں بھی حضرت مجدد الف ثانی کا تفصیلی ذکر موجود ہے۔جس کو ہم آئیندہ چل کر بیان کریں گے۔

۱۹۳۲ء میں علامہ نے حضرت مجدد رح پر جس تقریر کا ذکر کیا ہے وہ باوجود تلاش بسیار کے دستیاب نہ ہوسکی۔ راقم نے علامہ ڈاکٹر محمد شفیع مرحوم سے دریافت کیا تھا موصوف نے تحریر فرمایا تھا کہ سنا ہے اس تقریر کا مسودہ ان کے صاحب زادے ڈاکٹر جاوید اقبال کے پاس ہے۔(۲۱) راقم نے ڈاکٹر جاوید اقبال سے استفسار کیا جواب نفی میں آیا۔(۲۲) چونکہ اس سفر میں مولانا غلام رسول مہر علامہ کے ساتھ تھے اسلئے موصوف سے بھی دریافت کیا۔ مولانا نے سفر یوروپ کا روزنامچہ دیکھ کر تفصیلات سے آگاہ کرنے کا وعدہ فرمایا تھا (۲۳) مگر ہنوز کوئی جواب نہیں آیا۔ انگلستان میں ڈاکٹر آربری کو لکھا۔ انہوں نے بھی یہی لکھا کہ یہ تقریر انگلستان میں شائع نہیں ہوئی اور تلاش بسیار کے بعد اس کے متعلق کچھ معلوم نہ ہوسکا۔(۲۴) ڈاکٹر عبادت بریلوی آج کل لندن میں ہیں میں ان کو بھی لکھا، لیکن موصوف نے جواب دیا :—

> .... بہت سے لوگوں سے پوچھا، یونیورسٹیوں کو بھی لکھا لیکن سب نے لا علمی کا اظہار کیا۔ میں اب بھی تلاش میں ہوں۔

۲۰—شیخ عطاء اللہ — اقبال نامہ۔ حصہ اول۔ مطبوعہ لاہور۔
۲۱—مکتوب محررہ ۲۹ ستمبر ۱۹۶۲ء از لاہور۔
۲۲—مکتوب محررہ ۳۱ اکتوبر ۱۹۶۲ء از نیویارک۔
۲۳—مکتوب محررہ ۳ اپریل ۱۹۶۳ء از لاہور۔
۲۴—مکتوب محررہ ۲ مئی ۱۹۶۳ء از کیمبرج۔

اگر مل گیا تو اس کی نقل آپ کو ضرور بھجوادوں گا۔(۲۵)

حضرت مجدد رح کے علمی اور عملی کارناموں نے علامہ کو بہت متاثر کیا۔ علامہ نے بال جبریل کی ایک نظم میں اپنے قلبی تاثرات اور حضرت مجدد کے کارناموں کا ایجاز و اختصار کے ساتھ ذکر کیا ہے اس نظم کا عنوان ہے ''پنجاب کے پیر زادوں سے،، گویا یہ نظم خانقاہ نشینوں کے لئے درس عبرت ہے۔ علامہ فرماتے ہیں :—

حاضر ہوا میں شیخ مجدد کی لحد پر
وہ خاک کہ ہے زیر فلک مطلع انوار
اس خاک کے ذروں سے شرمندہ ستارے
اس خاک میں پوشیدہ ہے وہ صاحب اسرار
گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے
جس کے نفس گرم سے ہے گرمئی احرار
وہ ہند میں سرمایۂ ملت کا نگہبان
اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار
کی عرض یہ میں نے کہ عطا فقر ہو مجھ کو
آنکھیں مری بینا ہیں ولیکن نہیں بیدار
آئی یہ صدا کہ سلسلۂ فقر ہوا بند
ہیں اہل نظر کشور پنجاب سے بیزار
عارف کا ٹھکانہ نہیں وہ خطہ کہ جس میں
پیدا کلہ فقر سے ہو طرۂ دستار
باقی کلہ فقر سے تھا ولولہ حق
طروں نے چڑھایا نشہ خدمت سرکار(۲۶)

علامہ نے اس نظم میں حضرت شیخ احمد سرہندی کو ''شیخ مجدد،، کہا ہے۔ غیر متعلق نہ ہوگا اگر یہاں یہ بتاتا چلوں کہ ''مجدد الف ثانی،، کا خطاب

۲۵—مکتوب محررہ ۸ مئی ۱۹۶۳ء، از لندن

۲۶—اقبال—بال جبریل — مطبوعہ لاہور۔ ۱۹۴۷ء، ص ۲-۲۱۱-

سر زمین سیالکوٹ کے ایک مایۂ ناز عالم عبدالحکیم سیالکوٹی (۲۷) (م - ۱۰٦۷ھ — ۱٦۵٦ء) نے دیا تھا - سب سے پہلے موصوف نے اپنے ایک مکتوب میں حضرت شیخ احمد سرھندی کو ''مجدد الالف الثانی،، تحریر فرمایا - (۲۸) پھر یہ خطاب دور و نذدیک پھیل گیا اور آج آپ اسی خطاب سے جانے جاتے ھیں - اور حسن اتفاق کہ اسی سرزمین سے اقبال پیدا ھوا جس نے تعلیمات مجددیہ کو از سر نو زندہ کیا اور یہ ثابت کردیا کہ واقعی آپ الف ثانی کے مجدد ھیں -

علامہ اقبال متذکرہ بالا نظم میں حضرت مجدد کے تجدیدی کارناموں اور مجاھدانہ کارگزاریوں کی طرف اشارہ کیا ہے ع

اس خاک میں پوشیدہ ہے وہ صاحب اسرار

''صاحب اسرار،، سے علوم دینیہ اور امور دنیویہ میں حضرت مجدد کی ژرف نگاھی کی طرف اشارہ کیا ہے - اس کے بعد ھی جہانگیر کے دربار میں حاضری کا اسطرح ذکر کیا ہے —

گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے
جس کے نفس گرم سے ہے گرمئی احرار

جہانگیر نے حضرت مجدد پر ایک جھوٹا الزام لگا کر (۲۹) دربار میں طلب کیا تھا - دربار میں جانے سے پہلے شہزادہ خرم (شاھجہان) نے جو آپ سے بڑی عقیدت رکھتا تھا، چند علماء کو بھیج کر یہ درخواست کی تھی کہ حضرت جہانگیر کے سامنے سجدۂ تعظیمی کرلیں تو کوئی گزند نہیں پہنچے گی نیز یہ کہ علماء کرام نے سجدۂ تعظیمی کو مباح لکھا ہے - اس پر آپ نے جواب دیا : —

---

۲۷ —(ا)— غلام علی آزاد بلگرامی — مآثر الکرام، جلد اول، مطبوعہ آگرہ ۱۳۲۸ھ — ۱۹۱۰ء، ص - ۲۰۳ -
(ب)— فقیر محمد جہلمی — حدائق الحنفیہ — مطبوعہ لکھنو، ۱۳۰۸ھ ۱۸۹۱ء، ص - ۴۱۳ -

۲۸ — محمد ھاشم کشمی — زبدۃ المقامات، مطبوعہ کانپور، ۱۳۰۷ھ — ۱۸۹۰ء -

۲۹ — دارا شکوہ — سفینۃ الاولیاء (اردو) مطبوعہ لاھور، ص - ۲۳۳ -

یہ تو رخصت ہے، عزیمت یہ ہے کہ غیر اللہ کو سجدہ نہ کیا جائے۔(۲۰)

شیخ مجدد کی عزیمت پسندی نے سرزمین ہند کو بڑی ہلاکت سے بچا لیا اور تاریخ ہند کا رخ موڑ دیا۔ اگر رخصت پر عمل کیا ہوتا تو پھر جہانگیر، جہانگیر نہ ہوتا، شاہ جہان، شاہ جہان نہ ہوتا اور اورنگ زیب، اورنگ زیب نہ ہوتا۔ تاریخ ہند کا کچھ اور ہی رخ ہوتا یہی وہ حقیقت ہے جس کی طرف علامہ اس شعر میں اشارہ فرماتے ہیں —

گردن نہ جھکی جس کی جہان گیر کے آگے
جسکے نفس گرم سے ہے گرمئی احرار

عجب نہیں کہ مثنوی ''پس چہ باید کرد اے اقوام مشرق'' میں اسلام میں فقر و درویشی کا تصور پیش کرتے ہوئے، شیخ مجدد کی سیرت بھی سامنے ہو، ان اشعار کے قرائن سے کچھ ایسا ہی معلوم ہوتا ہے، علامہ فرماتے ہیں :—

چیست فقر اے بندگان آب و گل
یک نگاہ راہ بیں، یک زندہ دل
فقر، کار خویش را سنجیدن ست
بر دو حرف ''لا اللہ'' پیچیدن ست
فقر، ذوق و شوق و تسلیم و رضاست
ما امینیم ایں متاع مصطفےٰ ست
برگ و ساز او در قرآن عظیم
مرد درویشے نہ گنجد در گلیم
قلب او را قوت از جذب و سلوک
پیش سلطان نعرۂ او ''لا ملوک''

حضرت مجدد رح نے جہانگیر کے سامنے یہی نعرۂ ''لا ملوک'' بلند کیا تھا۔ جس کی پاداش میں آپ کو قید و بند کی صعوبتیں اور تکلیفیں برداشت

۲۰—غلام علی آزاد بلگرامی—سبحتہ المرجان فی آثار ہندوستان، مطبوعہ ۱۳۰۳ھ، ص ۳۹۔

کرنی پڑیں۔ (۳۱) اور آپ نے بڑی خندہ پیشانی سے ان کو برداشت کیا اور ثابت کر دکھایا —

''فقر، ذوق و شوق و تسلیم و رضاست،،

علامه اقبال نے ضرب کلیم میں انہی حضرات کے لئے کہا ہے :—

زمانه لے کے جسے آفتاب کرتا ہے
انہیں کی خاک میں پوشیدہ ہے وہ چنگاری
وجود انہیں کا طواف بتاں سے ہے آزاد
یہ تیرے مومن و کافر تمام زناری

اقبال اس شخص کی پیشوائی و امامت کو ملت اسلامیه کے لئے فتنه قرار دیتے ہیں ''جو مسلماں کو سلاطیں کا پرستار کرے،، :—

فتنه ملت بیضا ہے امامت اس کی
جو مسلماں کو سلاطین کا پرستار کرے

شیخ مجدد رح نے شاہ پرستی نہیں سکھائی، خدا پرستی سکھائی۔ یہی ادا علامه اقبال کو بھائی ہے۔ انہوں نے خود خود دار طبیعت پائی تھی۔ غیر اللہ کے سامنے جھکنا ان کے نزدیک موت کے مترادف تھا۔ وہ ایک سجدے کو سب سجدوں پر بھاری سمجھتے تھے —

وہ اک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدے سے دیتا ہے آدمی کو نجات

مذکورہ بالا نظم کے چوتھے شعر میں علامه نے شیخ مجدد رح کے اصلاحی کارناموں کی طرف اشارہ کیا ہے۔ فرماتے ہیں —

۳۱—(ا)—خواجه بدر الدین — حضرات القدس (ترجمه اردو) مطبوعه لاہور، ۱۳۴۱ھ، ص ۳۶۰۔

(ب)—نواب صدیق حسن خان —ابجد العلوم ۔ مطبوعه بھوپال، ۱۲۹۵ھ، ج ۳، ص ۸۹۹۔

(ج) T. W. Arnold, The preaching of Islam, Lahore 1956, p—412.

وہ ہند میں سرمایہ ملت کا نگہبان
اللہ نے بر وقت کیا جس کو خبردار

تاریخ کے طلبا اچھی طرح جانتے ہیں کہ اکبر کے ہاتھوں ملت اسلامیہ کا سرمایہ کس بیدردی سے لٹ رہا تھا۔ حالات بد سے بد تر ہوتے جا رہے تھے۔ ۱۵۸۲ء میں دین اسلام کے مقابلے میں ایک نیا دین ''دین الہی،، کے نام سے بنایا گیا اور یہ دین اسلام پر اکبر کا آخری وار تھا۔ اکبر کے دربار کے مورخ عبدالقادر بدایونی نے منتخب التواریخ میں اکبر کی بے راہ رویوں اور گمراہیوں اور عام ناگفتہ بہ حالات کا اس طرح نقشہ کھینچا ہے:—

> اکبر آفتاب کی پرستش کرتا تھا، آب و آتش، شجر و حجر سب کی پرستش کی جاتی تھی، گائے کے گوبر کی پوجا ہوتی تھی، اکبر قشقہ لگاتا تھا، زنار پہنتا تھا، کتے کو ناپاک نہیں سمجھا جاتا تھا بلکہ ساتھ بٹھا کر کھانا کھلایا جاتا تھا۔ ان کی زیارت عبادت تصور کی جاتی تھی، جانور ذبح کرنے والے خصوصاً گائے ذبح کرنیوالوں کی انگلیاں کاٹ دیجاتی تھیں، قلعہ میں جوئے کی بازیاں لگتی تھیں، شراب دھڑلے سے بکتی تھی، اور شراب فروش ایک مسلمان عورت تھی، ''شیخ الاسلام،، مفتی صدر جہاں اور ''میر عدل،، میر عبدالحئی بھی خم پہ خم چڑھایا کرتے تھے۔ داڑھی کا رکھنا معیوب تھا، عربی لکھنا اور پڑھنا جرم تھا۔ حتیٰ کہ عربی حروف کے استعمال کی بھی ممانعت کردی گئی تھی۔ مسجدیں ویران ہو رہی تھیں اور ان کی جگہ یا تو اصطبل بن رہے تھے یا مندر۔ الغرض دین اسلام کی پوری بیخکنی کی جا رہی تھی اور یہ سب کچھ مسلمانوں کے ہاتھوں ہو رہا تھا۔ (۳۲) (ملخصاً)

ان حالات میں حضرت مجدد رح نے اصلاح و تبلیغ کا بیڑا اٹھایا۔ چنانچہ مکتوبات شریف میں اعیان مملکت کے نام بیشمار مکتوب ملتے ہیں جنمیں حالات کی اصلاح کی طرف ترغیب دلائی ہے۔ مثلا دربار اکبری کے ممتاز فرد شیخ فرید بخاری (م ۱۰۲۵ھ — ۱۶۱۶ء) کو ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:—

۳۲—عبدالقادر بدایونی—منتخب التواریخ، مطبوعہ کلکتہ۔ ۱۸۶۹ء

ذرا خیال کریں کہ معاملہ کہاں تک پہنچ چکا ہے۔ مسلمانی کی بو بھی باقی نہیں رہی۔ ایک دوست نے کہا ہے کہ تم لوگوں میں سے جب تک کوئی دیوانہ نہ ہوگا۔ مسلمانی تک پہنچنا مشکل ہے، اسلام کا بول بالا کرنے کے لئے اپنے نفع و نقصان کا بھی خیال نہ کرنا، یہ ہے دیوانگی ! اسلام رہے تو کچھ بھی ہو، اور اگر نہ رہے تو پھر کچھ بھی نہ رہے، اگر مسلمانی ہے تو پھر خدا کی رضا اور اس کے حبیب مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی بھی ہے اور آقا کی رضا سے بڑھ کر کوئی دولت نہیں —

اس طرح حضرت مجدد رح نے اعیان مملکت کو دین اسلام کی زبوں حالی اور آنیوالی تباہی سے ''بروقت خبردار کیا،، ۔ اکبر کے زمانے میں راستہ ہموار کیا اور جہانگیر کے زمانے میں وہ وقت بھی آیا جب کہ خود جہانگیر نے امور شرعیہ میں مشورہ دینے کے لئے علماء کا ایک کمیشن مقرر کیا اور حالات رو بہ اصلاح ہونے لگے اورنگ زیب کے عہد تک اسلام کو جو فروغ ہوا وہ اہل نظر سے پوشیدہ نہیں ۔ یہ سب کچھ خاندان مجددیہ کی مساعی جمیلہ کا ثمر شیریں تھا ۔ اس پر ایک علیحدہ مقالہ لکھنے کی ضرورت ہے ۔(۳۳)

بال جبریل میں ایک اور نظم ملتی ہے ۔ جس کا عنوان ہے ''ساقی،، اس کا مطلع ہے —

لا پھر اک بار وہی بادہ و جام اے ساقی
ہاتھ آجائے مجھے میرا مقام اے ساقی(۳۴)

یہاں ''ساقی،، سے حضرت مجدد الف ثانی کی طرف اشارہ ہے ۔ دوسرا شعر ہے —

تین سو سال سے ہیں ہند کے میخانے بند
اب مناسب ہے ترا فیض ہو عام اے ساقی

میاں بشیر احمد (بیرسٹر ایٹ لاء) نے اس شعر کا مفہوم علامہ اقبال سے پوچھا تھا ۔ واقعہ یہ ہے : —

۳۳—شیخ مجدد—مکتوبات شریف — حصہ سوم مطبوعہ امرتسر، ۱۳۳۳ھ مکتوب، ۶۳، ص ۔ ۴۵ ۔

۳۴—سر محمد اقبال—بال جبریل، مطبوعہ لاہور، ۱۹۴۷ء، ص ۔ ۱۷ ۔

جب وہ اپنی میو روڈ والی کوٹھی جاوید منزل میں آچکے تھے میں کبھی کبھی حاضر ہوتا اور بال جبریل کے بعض اشعار کا مفہوم دریافت کرتا۔ ایک روز میں نے پوچھا کہ ڈاکٹر صاحب اس شعر میں کیا اشارہ ہے؟

تین سو سال سے ہیں ہند کے میخانے بند
اب مناسب ہے ترا فیض ہو عام اے ساقی

میں حیران ہوا کہ تین سو سال ہوئے کہ جہانگیر کے ہاں میخواری کا دور دورہ تھا۔ ڈاکٹر صاحب کیا پھر وہی رسم قدیم جاری کرنا چاہتے ہیں کیا؟ جواب دیا کہ نہیں یہ شیخ احمد مجدد الف ثانی سرھندی کی طرف اشارہ ہے جو مسلمانان ہند کے سب سے زبردست رہنما گزرے ہیں۔(۳۵)

علامہ اقبال نے اسی مفہوم کا ایک شعر مثنوی "پس چہ باید کرد اے اقوام شرق"، میں بھی کہا ہے۔ فرماتے ہیں :—

از سہ قرن این است خوار و زبوں
زندہ بے سوز و سرور اندروں(۳۶)

علامہ اقبال کو اس حقیقت کا زبردست احساس تھا کہ حضرت مجدد رح کے بعد تین سو سال سے کوئی ایسا مرد حر پیدا نہیں ہوا جو افراد ملت میں آزادی و حریت اور ایمان و عشق کی روح پھونکدے۔ ان کو یہ بھی احساس تھا کہ علماء تقلید کی طرف مائل ہیں اور کوئی ایسا عالم نہیں جو میدان علم میں توسن تحقیق دوڑائے۔ اسی لئے بصد حسرت و یاس فرماتے ہیں—

شیر مردوں سے ہوا بیشہ تحقیق تہی
رہ گئے صوفی و ملا کے غلام اے ساقی

حضرت مجدد الف ثانی نے علم کو عشق آشنا کیا۔ اسی کے سہارے دلوں پر حکمرانی کی۔ اور باطل کی قوتوں کا مقابلہ کیا۔ علامہ اقبال اسی

۳۵—محمود نظامی—ملفوظات اقبال، مطبوعہ لاہور، ص۔ ۲۸-۲۹۔
۳۶—محمد اقبال—مثنوی پس چہ باید کرد اے اقوام شرق، مطبوعہ لاہور، ۱۹۳۶ء ص۔ ۲۸۔

علم کی تلاش میں ہیں جو ہم صغیر عشق ہو۔ اسی لئے اپنے عہد کی عقلیت پرستی اور عشق سے بیگانگی پر ماتم کرتے ہوئے فرماتے ہیں :—

عشق کی تیغ جگر دار اڑالی کس نے؟
علم کے ہاتھ میں خالی ہے نیام اے ساقی

علامہ اقبال کو حضرت مجدد الف ثانی کی تعلیمات میں مادیت کے اس تاریک دور میں روشنی اور نور نظر آ رہا ہے، وہ اس حقیقت سے واقف ہیں کہ نوع انسانی کے مسائل کا صحیح حل اور اس کے دردوں کا مداوا ایک مرد حر کے پاس ہے۔ اسی لئے کس حسرت سے فرماتے ہیں :—

تو مری رات کو مہتاب سے محروم نہ رکھ
ترے پیمانے میں ہے ماہ تمام اے ساقی(۴۷)

حضرت مجدد رح اور علامہ اقبال کے مطالعہ کے دوران ان دونوں حضرات کے درمیان جو فکری مماثلات محسوس کئے ان کا اجمالی خاکہ یہ ہے :—

۱ — تصوف میں دونوں کے فکری اور روحانی ارتقا کا آغاز وحدۃ الوجود سے ہوا اور انتہا وحدۃ الشہود پر ہوئی۔

۲ — حضرت مجدد رح نے جو تصور ''عبدیت،، پیش کیا تھا علامہ اقبال نے اس پر اپنے تصور ''خودی،، کی بنیاد رکھی۔

۳ — دونوں ''اثبات ذات،، کے قائل ہیں ''نفی ذات،، کو تباہ کن سمجھتے ہیں۔ ''فنا بعد البقاء،، کے قائل نہیں بلکہ ''بقا بعد الفناء،، کے قائل ہیں۔

۴ — دونوں فراق طلب ہیں۔ ''گسستن،، کو ''پیوستن،، سے بہتر تصور کرتے ہیں۔ ''ستر الوصال،، نہیں بلکہ ''ستر الفراق،، ہیں۔

۵ — دونوں نے ''عجمیت،، کے خلاف بغاوت کی اور ''حجازیت،، کو زندہ کیا۔

۶ — دونوں فلسفے کو نہیں بلکہ علوم کشفیہ کو فوقیت دیتے ہیں۔

۴۷—محمد اقبال—بال جبریل، مطبوعہ لاہور، ۱۹۴۷ء ص ۱۷-۱۸۔

۷ — دونوں نے وحدۃ الوجود کی غلط تعبیرات اور مسموم اثرات کے خلاف بہت کچھ لکھا۔ بلکہ علامہ نے تو حضرت مجدد رح سے زیادہ سختی اختیار کی۔ جو غالباً روحانی تجربے کے فقدان کی وجہ سے ہو۔

۸ — دونوں نے تصوف کو ''اخلاص عمل،، سے تعبیر کیا۔ اور اس کا ''سکونی،، نقطہ نظر سے نہیں بلکہ ''حرکی،، نقطہ نظر سے مطالعہ کیا۔

۹ — دونوں شریعت و طریقت کو ایک دوسرے کا عین سمجھتے ہیں۔

۱۰ — دونوں رقص و موسیقی کے مخالف ہیں کیوں کہ وہ جذباتیت کو عبادت میں محمود نہیں سمجھتے۔

۱۱ — دونوں دو قومی نظریئے کے حامی ہیں ملت اسلامیہ اور ملت باطلہ (یورپ کا نظریہ قومیت اس سے بالکل مختلف ہے۔ یہاں مدار ملت ،حق و باطل ہے)۔

۱۲ — دونوں وطن کو حفاظت مذہب کا ذریعہ سمجھتے ہیں نہ کہ مذہب کو حفاظت وطن کا — دین کی حفاظت کو وطن کی حفاظت پر مقدم سمجھتے ہیں۔

۱۳ — دونوں نے اپنے زمانے کی طاغوتی طاقتوں کے خلاف قولی اور نظری جہاد کیا ہے جو ''افضل جہاد،، ہے۔

۱۴ — دونوں نے اعلاء کلمتہ الحق کے لئے جس جرأت و بیباکی کا ثبوت دیا ہند و پاک میں ایسی مثالیں شاذ ہیں۔

۱۵ — دونوں نے اوامر و نواھی شرعیہ پر زور دیا ہے۔ اور شریعت اسلامیہ کو اعمال کی کسوٹی قرار دیا ہے۔

۱۶ — دونوں تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو نوع انسانی کے لئے ذریعہ نجات سمجھتے ہیں۔

۱۷ — دونوں عشق محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کو جان ایمان اور جان عبادت سمجھتے ہیں۔ (علامہ نے یہ سبق جلال الدین رومی

سے سیکھا ہے مگر مجدد صاحب کے اثرات بڑی نمایاں ہیں)

۱۸ — دونوں کے نزدیک انسانی مسائل کا حل ''وحی،، الہی میں مضمر ہے۔

۱۹ — دونوں ایک ایسی حکومت کے لئے کوشاں ہیں جس کی بنیاد شریعت پر ہو۔(گویا پاکستان کی تاریخ حضرت مجدد رح سے شروع ہوتی ہے، علامہ اقبال اور مسٹر جناح نے اس تحریک کو پھر سے زندہ کیا اور ایک ایسا ملک حاصل کیا۔ جہاں شریعت کو قابل عمل بنایا جائے، کہاں تک قابل عمل بنایا گیا اس کا فیصلہ ہم خود کر سکتے ہیں)۔

۲۰ — دونوں نے عقلیت پرستی کے خلاف جد و جہد کی۔

۲۱ — دونوں نے عملاً معاشرے کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا اور مجاہدانہ سرگرم رہے۔